Kalam e Sukhan Dubaivi ma Mutasawfana Anasir

ڈاکٹر رحمت علی شادؔ

پرنسپل! گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج کمیر ٹاؤن ساہیوال

Absatract:

Sukhan dubaivi (Sufi Muhammad Zafar Shah) was born in Qasba Dubaie the district of Bulandshahar, India in 1866 at the house of Haji Musahib Ali Shah, the famous saint of his time. Shukan dubaivi had an intellectual and spiritual environment from his childhood. He was treated spirtualy by his father and other great Sufis of his era especially the Sufi Hafiz Muhammad Amin and Hazrat Baba Farid Ganj Shakar. It was a sign of his attachment to Baba Farid that he lived in Pakpattan forever. He wrote a big volume of poetry. The artistic and intellectual maturity in his words indicates that he is a veteran poet, therefore the colour of spirtualism predominates over his poetry.

Key Words:

سخن ڈبائیوی، تصوف، راہِ سلوک وطریقت، سیاحت، صوفیاء، بابا فرید الدین، روحانی ماحول، شاعری، فنی وفکری پختگی

کلامِ سخن ڈبائیوی میں متصوفانہ عناصر

سخن ڈبائیوی (صوفی محمد ظفر شاہ) قصبہ ڈبائی ضلع بلند شہر (یوپی) کے ایک معزز خاندان میں ماہ محرم الحرام میں ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے۔ یہ خاندان نہ صرف قصبہ ڈبائی بلکہ گردونواح کے اضلاع میں بھی محترم جانا جاتا تھا۔ اس خاندان کے علم وعرفان، زہد وتقویٰ اور روحانی فیضان کے چرچے دور دور تک پھیلے

ہوئے تھے۔ آپؒ کے والدِ ماجد حاجی مصاحب علی شاہؒ اپنے دور کے بڑے مایہ ناز عالمِ باعمل بزرگ تھے۔ وہ انتہائی پابندِ شریعت، متقی اور پرہیز گار تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں چھ دفعہ حج کی سعادت حاصل کی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل تھا کہ محمد ظفر شاہ کو اس گھرانے میں بہترین روحانی ماحول میسر آیا۔ جس طرح بزرگانِ سلف کا قاعدہ تھا کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت بذاتِ خود کرتے تھے؛ اسی قاعدہ کے مطابق ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد بزرگوار نے اس طرح فرمائی کہ وہ نہ صرف بچپن ہی سے صوم وصلوۃ کے پابند تھے بل کہ زہد و تقویٰ کے بھی پیکر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ان کے والد بزرگوار نے بچشمِ باطن مشاہدہ کر لیا تھا کہ یہ طفلِ نوخیز ایک دن مرجع خلائق اور حاملِ اسرار ہو گا۔ اس لیے ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی اور اوائل عمری ہی میں انھیں شریعت کے اسرار و رموز سکھانے شروع کر دیے تاکہ آئندہ سلوک و طریقت کی راہ میں ثابت قدم رہ سکیں۔

تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ صوفی ظفر شاہ نے سیر و سیاحت کی طرف بھی توجہ کی اور مختلف شہروں کی سیر کرتے ہوئے ریاست گوالیار میں داخل ہوئے۔ اس ریاست میں کچھ عرصہ تک وہ ایک ذمہ دار عہدے پر فائز رہے لیکن اس دنیاوی کاروبار سے ان کو وہ سکونِ قلبی اور وہ اطمینان حاصل نہ ہو سکا جس کی طلب قدرت نے ان کی گھٹی میں ڈالی دی تھی۔ چنانچہ خود کوشش کر کے ۱۹۳۲ء میں انھوں نے اس عہدے سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی اور مجازی زندگی کے جھگڑوں سے انھوں نے کلیتہً کنارہ کر لیا اور پھر سیاحت کی صعوبتوں کی طرف قدم بڑھایا؛ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ چنانچہ اسی تلاش و تجسس میں حضرت باباتاج الدین اولیاءؒ ناگپوری کی خدمت میں پہنچے یہاں جذب و مستی کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجیں تھیں کچھ عرصہ وہیں قیام کیا اور زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کیا؛ بہر کیف جذب و مستی چونکہ ان کے لیے نہ تھی بلکہ سالک راہِ طریقت بن کر بہت سے تشنگانِ وحدت کو سیراب کرنا تھا اس لیے قدرت نے دریائے جذب میں غوطہ زن ہونے سے روک دیا پھر باباتاج الدین صاحبؒ سے اِذن حاصل کر کے مختلف اولیاء اللہ کے مزارات سے سیراب ہوتے ہوئے شیر بیشہ طریقت، امینِ راہِ حقیقت حضرت قبلہ صوفی حافظ محمد امین صاحبؒ سے آپ کی نگاہیں چار ہوئیں اور شیخ کی ایک نظرِ کیمیا اثر نے تمام مراحل آن واحد میں طے کر دیے۔ علاوہ ازیں وہ پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے دربار پر باقاعدگی سے حاضری دیتے تھے۔ جن حضرات نے ان کو دیکھا ہے اور ان سے فیض حاصل کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ سرتاپا صابری رنگ میں رنگے ہوئے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کی تمام زندگی صبر و قناعت، پاسِ وفا، توکل، سیر چشمی و استغنیٰ کا مرقع تھی۔ اخلاق و آداب، طرزِ معاشرت، شریعت و سنت نبوی کے تابع، مزاج میں بچوں کا سا بھولپن اور سادگی، وضع قطع میں سنجیدگی و متانت، زہد و تقویٰ، خوش خلقی و وضع داری؛ غرض ہر وہ خوبی جو ایک درویش میں ہونی چاہیے ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ پاک پتن شریف سے والہانہ وابستگی کا عالم یہ تھا کہ وہ مہینوں یہاں قیام کرتے اور ہمیشہ دربار میں روضہ مبارک کے سامنے والے دالان میں بیٹھے رہتے۔ نسبتِ صابری ہی کی بدولت انھوں نے پاک پتن شریف میں اپنے وصال سے ایک سال قبل ایک قطعہ زمین خرید لیا تھا تاکہ وہاں اُن کی ابدی آرام گاہ بن سکے۔ مقاماتِ مقدسہ بغداد شریف، کربلائے معلی، نجفِ اشرف، فلسطین اور دیگر قابلِ ذکر مقامات کی سیر کی۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں آخری حج کیا۔

اگرچہ ان کی کوئی مجازی اولاد نہیں تھی لیکن روحانی فرزندوں اور ارادت مندوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ وہ جن فرزندانِ روحانی پر بطورِ خاص توجہ کیا کرتے تھے ان کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل عظام کو خلافت واجازتِ بیعت سے نوازا گیا تھا۔

۱۔ خلیفہ جناب ولدار خان؛ جن کا وصال ۱۹۸۷ء میں بمقام راولپنڈی ہوا اور وہ گولڑہ شریف میں مدفون ہیں۔

۲۔ خلیفہ الحاج صوفی عبدالرحیم جو ۱۹۸۲ء میں ان کے وصال کے فوراً بعد ہی کراچی میں وصال کر گئے۔

۳۔ خلیفہ جناب الحاج ممتاز حسین قریشی؛ وائس پرنسپل انجنیئرنگ کالج (موجودہ انجنیئرنگ یونیورسٹی) لاہور؛ جو کراچی میں ان کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

۴۔ خلیفہ جناب سید احمد قادری؛ جو حضرتؒ کی نگاہِ التفات واختصاص کا بطورِ خاص مرکز بنے رہے۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے تمام نجی و دیگر معاملات میں ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

اچھے کلام کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ صوفی ظفر شاہ کے کلام میں یہ خوبی بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کا کلام فنی و فکری خصائص سے مزین ہے؛ ایسا نہیں ہے کہ ان کے کلام میں روایتی شاعری کا رنگ نہ ملے، حسن و عشق کی حقیقی و مجازی نیرنگیوں کی جھلک دکھائی نہ دے۔ فصاحت و بلاغت کی گلکاریاں، تشبیہ و استعاروں کی بوقلمونیاں، زبان و بیان کی مرصع سازیاں، معاملہ بندی کی سحر کاریاں بااین ہمہ وہ تمام باتیں جو ایک کلام کو عمدہ بناتی ہیں ان کے کلام میں بکثرت نظر آئیں گی۔ مختصر یہ کہ ان کا کلام ایک متین اور سنجیدہ طبعیت کے صوفی باصفا کا کلام ہے جس کی ڈگر جادہ مجاز کے متوازی نظر آتی ہے؛ اسی لیے ان کے کلام میں ہر بات نہایت سادہ اور خاص و عام کے لیے زود فہم ہے۔

بابا ظفر شاہ (سخن ڈبائیوی) کی تاریخ وصال بروز سہ شنبہ، بوقت نمازِ مغرب، یکم محرم الحرام، ۱۰۔ مارچ ۱۹۷۰ء ہے اور ان کا مزار پاک پتن محلہ ظفر آباد (جو انہی کے نام سے موسوم ہے) مرجع خاص و عام ہے۔ پاک پتن کی شعری روایت کا ذکر کرتے ہوئے راقم نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون میں لکھا تھا:

"پاک پتن کی شعری روایت میں تیسرا اہم نام سخن ڈبائیوی (صوفی ظفر شاہ بخاری) کا ہے جو ایک صاحبِ دیوان صوفی شاعر تھے جو ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ان کا دیوان ''کلیاتِ سخن ڈبائیوی'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کے کلیات کی تدوین پر راقم کی زیرِ نگرانی متعلمہ عفیفہ کبریٰ نے یونی ورسٹی آف لاہور سے ایم فل اردو کی ڈگری حاصل کی اور ''سخن ڈبائیوی کے کلام میں متصوفانہ عناصر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے سرگودھا یونی ورسٹی سے نسرین اختر بھی راقم کی نگرانی میں ایم فل اردو کا مقالہ تحریر کر چکی ہیں۔ اُن کے کلام میں حقیقت اور مجاز کی عمدہ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وہ

صاحبِ اسلوب شاعر تھے اور اُن کے ہاں متصوفانہ عناصر کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے کلام میں آقائے کریم ﷺ کی محبت اور شوقِ دیدار کی وارفتگی جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

یادِ محبوب نے ہستی کو بھلا رکھا ہے

شوقِ دیدار نے وارفتہ بنا رکھا ہے

پاک پتن کا ایک محلہ، محلہ ظفر آباد ان ہی کے نام سے منسوب ہے کیوں کہ اسی محلے میں ان کا مزار موجود ہے؛ جو عوام الناس کے لیے مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔"(1)

صوفی ظفر شاہ کا مزار ایک چار دیواری اور ایک گنبد پر مشتمل ہے جو سادگی اور دیدہ زیبی کا مظہر اور زائرین کے لیے روحانی سکون کا مرکز بھی ہے۔ مزار کے دو اطراف میں برآمدہ تعمیر کیا گیا ہے۔ گنبد کے مغرب کی طرف ایک خوب صورت مسجد ہے جس کا رقبہ ۱۰۵۰ مربع فٹ ہے۔ مسجد کے بائیں جانب دو حجرے ۲۸۶ مربع فٹ اور شمالی صحن میں دو کمرے ۲۵۵ مربع فٹ اور ایک لنگر خانہ ۳۷۵ مربع فٹ کا ہے۔ یہ دونوں کمرے اور حجرے عرس کے موقع پر مہمان خانے کا کام دیتے ہیں۔ مسجد کے دائیں جانب پمپ مشین اور وضو کے لیے معقول انتظام

موجود ہے؛ علاوہ ازیں مسجد کے کمروں سے متصل ۳ غسل خانے اور ۳ بیت الخلا بھی موجود ہیں۔ مسجد کے صحن میں خوبصورت پتھر کا فرش لگایا گیا ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے مزار شریف اور مسجد کے منتظم، انتہائی ملنسار اور پر خلوص شخصیت جناب محمد نعیم کچھی (ایڈووکیٹ ہائیکورٹ) ہیں جو مسجد اور مزار کی دیکھ بھال اور تعمیر و مرمت احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں اور یہ سب کچھ مسجد اور دربار کے ساتھ ان کی عقیدت، محبت اور والہانہ وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آج کل مزار شریف کے گدی نشین سید کامل شاہ صاحب ہیں جن کی قیام گاہ ناتھے والی پل نور شاہ کے قریب ہے۔ مسجد کے موجودہ امام و خطیب عبدالحق توگیروی ہیں۔ صوفی ظفر شاہ (سخن ڈبائیوی) کا عرس ہر سال یکم محرم کو منعقد کیا جاتا ہے؛ ۲۔ محرم کو پہلا ختم شریف ہوتا ہے اس کے بعد محفلِ سماع اور دیگر تقریبات جاری رہتی ہیں۔ ۳۔ محرم کو دوسرا ختم شریف ہوتا ہے اور مزار کو غسل دے دیا جاتا ہے۔

انسان کے قلب و ذہن میں ہر لمحے جذبات و احساسات کی موجیں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں؛ جب انہیں لفظی اظہار کا خوبصورت قرینہ میسر آتا ہے تو شاعری وجود میں آتی ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ذہن سے لطیف اور کومل شاعری جنم لیتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری ہیئت سے اُوپر اُٹھ کر بے ہیئت احساسات کو ہمارے مردہ دلوں کے مدفنوں سے نکالتی اور پھر سے زندہ کرتی ہے۔ سخن ڈبائیوی کا کمال اردو شاعری کی محفل اور تصوف کی دنیا میں مدھم سروں سے بجتی بانسری کا سا ہے جو دلوں کے تار ہلانے کا کام کرتی ہے۔ ان کی شاعری عشق حقیقی کے اعلیٰ تاثر کی حامل ہے؛ جس میں اللہ اور اس کے

رسول ﷺ سے والہانہ عشق جابجا نظر آتا ہے کیوں کہ وہ عشق حقیقی میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ شاید اللہ والے اسی طرح سے اللہ سے محبت کرتے ہیں کیوں کہ ہر مظاہر قدرت سے ان کے دل میں اللہ کی کبریائی کا احساس مزید گہرا ہو جاتا ہے۔(جذبات۔ص:15

عالم میں کل ظہور ہے حق کے وجود کا

مظہر ہی خود ثبوت ہے اس کی نمود کا

دنیا میں اور کچھ نہیں ہے ایک حق کی ذات

جو دیکھتے ہیں ہم یہ ہے دھوکا نمود کا

سخن ڈبائیوی کی شاعری بیک وقت شعور، فکر، جذبات، احساسات اور باطنی آنکھ کو بیدار کرتی ہے اور اس کا ادراک ایک قاری کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ سخن ڈبائیوی کے کلام کا عمیق مطالعہ کرتا ہے اور پھر ہی ان کا کلام اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ پڑھنے والا ایک عام کیفیت سے نکل کر کسی خاص کیفیت میں چلا جاتا ہے۔ اثر اندازی کی یہ کیفیت اور پر اسراریت ان کے کلام کا خاصا ہے۔ سخن ڈبائیوی کی شاعری نے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ تعلی کے انداز میں وہ رقم طراز ہیں۔(نغمات۔ص:159

بات پہ ان کی کھلے ہیں گل ہزار

ہے یہ اندازِ سخن کیا بات ہے

سخن ڈبائیوی کی شاعری کا ایک معتبر حوالہ تصوف ہے کیوں کہ وہ داخلی کیفیت کا رشتہ جس خوبصورتی کے ساتھ اللہ سے جوڑتے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔ داخلی کیفیت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خارج سے بھی لاتعلق نہیں رہتے بل کہ وہ ایک بہترین مفکر اور مبلغ کی طرح تبلیغ کا کام بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ سخن ڈبائیوی اپنے کلام میں خارجیت سے داخلیت کی طرف لوٹتے ہیں پھر اس طرح وہ اللہ کی ذات کا اس خوب صورتی سے اظہار کرتے ہیں کہ جیسے انسان بچشمِ خود اللہ کو دیکھ رہا ہو۔ سخن ڈبائیوی کی شاعری روحانی شاعری ہے اور اللہ والے روحانیت کو زندگی قرار دیتے ہیں کیوں کہ ان کی زندگی اللہ کے ذکر سے جڑی ہوتی ہے۔(جذبات۔ص:58

ذکر سے اس کے جی نہیں بھرتا

رات دن بار بار کرتا ہوں

قرآنِ مجید اللہ رب العزت کے احکامات پر مبنی ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں قیامت تک کے انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا سامان موجود ہے؛ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی اک اک ادا بیان فرمائی ہے۔ "یٰاَیُّھَاالْمُزَّمِّل، یٰسین، طٰہٰ اور یٰاَیُّھَاالْمُدَّثِّر" جیسے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن مجید توصیفِ مصطفیٰ ﷺ کا مجموعہ ہے۔ سخن ڈبائیوی کا کلام عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہے۔ اس حوالے سے ان کا یہ شعر دیکھیں: (تجلیات۔ ص: ۳۰۳

توہی مزمل و یٰسین توہی مدثر و طٰہٰ

توہی واللیل ہے والشمس بھی تو والضحیٰ تو ہے تو

سخن ڈبائیوی؛ تمام کائنات کے جلوؤں اور ان کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں جگہ پانا چاہتے ہیں اور ان کے خادموں میں شامل ہونے کو ہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں: (جذبات۔ ص: ۱۶

دو گز زمیں عطا ہو قدموں میں اپنے آقا

زمرے میں خادموں کے لکھ جائے نام میرا

تصوف؛ قرآن و سنت کی کامل اتباع اور اتباع میں اخلاص اور اعلیٰ اخلاق اپنانے سے عبارت ہے۔ سخن ڈبائیوی کی شاعری کے متنوع موضوعات میں سے ایک موضوع دنیا کی بے ثباتی ہے۔ انھوں نے انسانی زندگی کو پانی کے ایک بلبلے اور سراب سے تشبیہ دی ہے۔ یہ دنیا مقامِ تفکر، مقامِ معرفت اور مقامِ عبرت ہے؛ یہ آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی کی بنیاد ہے۔ ان کی شاعری کا ایک پہلو معاشرے کی اصلاح ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ صرف ایک صوفی شاعر تھے بلکہ اپنے عہد پر بھی ان کی نظر تھی۔ انھوں نے اُمتِ مسلمہ کے اچھے برے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ہمہ گیر شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں متنوع موضوعات شامل ہیں لیکن ان کے کلام پر روحانیت کا غلبہ ہے۔ روحانیت اور اخلاقیات کے حوالے سے وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: (جذبات۔ ص: ۶۴

سخنؔ اخلاق کو اپنے سنوارو

یہ دنیا در حقیقت آئنہ ہے ہے

وہ تزکیہ نفس کو انسانی زندگی کے لیے ضروری تصور کرتے ہیں۔ ایک جگہ وہ نفس کو راہزن گردانتے ہوئے لکھتے ہیں: (جذبات۔ 25

نفس کو اپنے خیر خواہ تم سمجھے

راہزن رہنما نہیں ہوتا

ایک اور جگہ پر وہ خانقاہوں کے ویران ہونے اور میکدوں کے آباد ہونے کے حوالے سے رقم طراز ہیں: (جذبات۔42

خانقاہیں ہی نظر آتی ہیں ویراں ہر جگہ

مے کدے تو اس زمانے میں آباد ہیں

چوں کہ وہ ایک صوفی شاعر ہیں اس لیے صوفیانہ رنگ اور عاجزی ان کے کلام کا حصہ ہیں۔ انھیں اپنے اعمال پر کوئی ناز نہیں بل کہ وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ میرے پاس نہ کوئی نیک کام ہے اور نہ ہی زہد و تقویٰ؛ اور اگر ناز ہے تو وہ محض اس کی رحمتِ بے کراں پہ ہے کیوں کہ وہ خدا کی رحمت سے نااُمید کبھی نہیں ہوتے۔ اس حوالے سے وہ رقم طراز ہیں: (تجلیات۔291

زہد و تقویٰ ہے نہ کوئی نیک کام

اُس کی رحمت ہی پہ مجھ کو ناز ہے

دنیاوی اقتدار کی خاطر لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں کیوں کہ دین اور دنیا دو سوکنیں ہیں۔ دنیادار لوگ دین سے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں اور خواہشِ اقتدار میں اسلامی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ بقول شاعر: (نغمات۔157

گئے بھول دنیا کے پیچھے خدا کو

سخن خواہشِ اقتدار اللہ اللہ

سخن ڈبائیوی تفرقہ بازی کے خلاف تھے وہ چاہتے تھے کہ ہمیں تفرقہ بازی میں پڑنے کی بجائے بنیادی اور اسلامی تعلیمات پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ وہ ایک جگہ برائے نام اہلِ ایمان کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمہارے تفرقے نے اسلام کی کمر تک توڑ ڈالی۔ اس حوالے سے ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے: (تجلیات۔322

کمر اسلام کی اے اہلِ ایماں

تمہارے تفرقہ نے توڑ ڈالی

وہ وقت کی قدر و منزلت کو خوب پہچانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ زندگی ناپائیدار ہے۔ وقت کی بے ثباتی کے حوالے سے وہ پیغام دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو کرنا ہے ابھی کرلو کیوں کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں: (جذبات۔50

کل جو کرنا ہے وہ ابھی کرلو

زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

شاعری ایک طرزِ کلام ہے جس کے ذریعے شاعر اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتا ہے۔ اظہار کی مختلف صورتیں مختلف اوقات میں موثر اور کارآمد ثابت ہوتی ہیں؛ اس لیے شعرا اپنے اپنے الگ انداز میں اپنی بات قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں چوں کہ شاعرانہ اسلوب پر شاعر کی شخصیت، اس کا ماحول، اس کا نظریہ اور اس کا علمی مرتبہ براہِ راست اثرانداز ہوتا ہے؛ اس لیے ہر شاعر اپنے طرزِ بیان میں انفرادیت کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے محمد ظفر شاہ (سخن ڈبائیوی) بھی ایک جداگانہ طرز کے صوفی شاعر تھے؛ جن کا کلام زبان و بیان کی بہت سی خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے؛ جس میں سادگی، سلاست، طرزِ ادا کا بانکپن، بے ساختگی، چستی بندش، شکوہ الفاظ اور لطفِ زبان جیسی خصوصیات نمایاں ہیں۔ ان کے کلام میں صوفیانہ رنگ نمایاں ہے اس لیے ان کا کلام نہ صرف شستہ و شائستہ ہے بل کہ اس میں مٹھاس بھی پیدا ہوگئی ہے۔ جب ان کی مشکلیں آسانیوں میں بدل جاتی ہیں تو وہ انھیں خدا کا فضل اور اسی کی مہربانی گردانتے ہیں اور لکھتے ہیں: (نغمات۔141

خدا کا فضل ہے مجھ پر اسی کی مہربانی ہے

جو مشکل کام تھے اب وہ بھی آسان ہوتے جارہے ہیں

سخن ڈبائیوی کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی پاسداری اور روزمرہ محاورہ کے برمحل استعمال سے زبان و بیان کی چاشنی کا عنصر در آیا ہے۔ ان کے ہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جو زبان کی صفائی، خیال کی پاکیزگی اور جملے کی روانی و سلاست سے متصف نہ ہوں۔ ذیل کے چند اشعار میں لطفِ زبان و بیان کی خوبی ملاحظہ فرمائیں: جذبات 63)، (تجلیات 2,3

جدا ہم ہوئے تم سے ہے بات کل کی

پر اس آج و کل میں بڑا ہے زمان

حسن کی تابانیاں بن گئی ہیں خود حجاب

سامنے بیٹھے ہوئے ہو پھر بھی ہے بے پردہ نہیں

ماتھا رگڑتے ہم نے تو دیکھا جہاں کو

بیزار تجھ سے اے درِ جانانہ کون ہے

جب کلام میں تکلف اور تصنع کا عنصر نہ ہو اور شعر عام بات چیت کا سا انداز لیے ہو تو شعر کی اس خوبی کو بے ساختگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ سخن ڈبائیوی کے کلام میں کبھی جذبے سے، کبھی استفہام سے، کبھی سوز و گداز سے اور کبھی تحسین و آفرین سے بے ساختگی کا عنصر کشید کرنے کی سعی موجود ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (جذبات۔59)، (نغمات۔144

دیکھتے ہی میں نے سجدہ کر لیا

اہلِ صورت کرتے رہ گئے وضو

ہے تجھی سے دیکھنے میں گو تیری تصویر بھی

فرق ہے کہنے کو اتنا سا کہ وہ گویا نہیں

دقیق اور مشکل الفاظ کو اس مہارت سے کلام میں لانا کہ کلام کی صحت، روانی اور سلاست مجروح نہ ہونے پائے چستی بندش کہلاتا ہے۔ سخن ڈبائوی کے کلام میں دقیق الفاظ اور مشکل تراکیب ضرور استعمال ہوئی ہیں لیکن کہیں بھی شعر کی لطافت مجروح نہیں ہونے پائی۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

((نغمات۔142)، (تجلیات۔300

بڑی پر خطر ہے صراطِ محبت

مگر جانے والے چلے جا رہے ہیں

آنکھوں کو تابِ دید کہاں برق حسن کی

ہاں تابِ برق حسن حجاب نظر میں ہے

سخن ڈبائیوی کا کلام ایسی تراکیب سے مزین ہے جن میں اللہ سے محبت، عشقِ رسول ﷺ اور صوفیانہ کلام کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے اور یہی جذبہ اور فن ان کے اسلوب کو زیادہ جان دار بنادیتا ہے۔ان کے ہاں عطفی اور اضافی تراکیب ادائے معنی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔روزِ جزا، چشمِ کرم، جامِ جم، حرفِ مکرر، ماہِ تمام، خانہ خدا، حضورِ عشق، لطفِ جفا، جنونِ محبت، سوزِ عشق، زخمِ دل، فتنہ محشر، حالِ خراب، بزمِ عشق، دردِ دل، نذرِ یار، تصویرِ یار، دیدِ یار، رحمتِ حق اور سوزِ جگر جیسی متعدد اور معروف تراکیب ان کے کلام کا حصہ ہیں۔علاوہ ازیں ان کے کلام میں خوب صورت اور رواں عطفی تراکیب کی بھی فراوانی ہے جیسے درد و غم، خوف و دہشت، قول و قرار، رسم و راہ، عاجز و مجبور، زیب و زینت، آہ و نالے، مال و زر، حال و قال، گیسو و رخسار، نشیب و فراز۔ان کی شاعری میں سہ لفظی اضافتی تراکیب بھی ملتی ہیں جیسے گلِ نو شگفتہ، آشنائے لذتِ غم، جامِ شرابِ شوق، زلفِ عنبر یار، ماہِ روزِ ازل، لطفِ سوزِ عشق، تابِ حسنِ یار، غمِ جانِ حزیں، تاثیر تابِ برق اور شمعِ بزمِ من وغیرہ۔

سخن ڈبائیوی کے ہاں اضافت کے ساتھ مرکبِ عطفی کا امتزاج الفاظ کو نئے معانی سے آراستہ کرتا ہے جس سے جذبوں کا اظہار سہولت کی راہ پانے لگتا ہے مثلاً دورِ ساغر و پیمانہ، گلِ حسن و خوبی، ذوقِ رنگ بو، ذاتِ رحمان و رحیم، عروجِ جن و انسان، خالقِ کون و مکان، حاصلِ دنیا و عقبیٰ۔ سخن ڈبائیوی کے لفظی نظام کی بو قلمونی کا ایک اور حوالہ مرکبِ عطفی اور اضافت کی آمیزش ہے۔ناز و ادائے بتاں، خورشید و ماہ رو، رنگ و نقشِ جہاں اور طالب و مطلوبِ یار جیسی تراکیب ان کی جودتِ طبع کے ساتھ ان کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مجموعی طور پر سخن ڈبائیوی کا صوفیانہ کلام عربی، فارسی لفظیات سے عبارت ہے۔ جس سے ان کے کلام میں عشقِ الٰہی اور سوز و گداز رچ بس گیا ہے۔

اردو زبان کے اندر اتنی لچک موجود ہے کہ وہ بہت سی دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمونے کی استطاعت رکھتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان نے دنیا کی اکثر زبانوں سے کسبِ فیض کیا ہے مگر بنیادی طور پر اس کی رگوں میں عربی اور فارسی کا لہو دوڑ رہا ہے۔ معرب و مفرس تراکیب سے جس طرح سخن (ڈبائیوی نے توانائی حاصل کی ہے اس سے ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت در آئی ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (جذبات۔42

زمانے کے حالات ناگفتی ہیں

جو بینا ہیں وہ دیکھ کر جل رہے ہیں

احد بھی وہ صمد بھی لم یلد لاریب لم یولد

مقید اپنی مرضی سے خود آب و گل میں رہتا ہے

سخن ڈبائیوی کا لفظی اسلوب بنیادی طور پر عربی و فارسی سے عبارت ہے اور ہندی الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن اگر کہیں ہندی الفاظ استعمال ہوئے بھی ہیں تو وہ فارسی اسلوب میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کے ہندی ہونے کا گمان تک نہیں گزرتا۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں: (جذبات۔41)، (نغمات۔159

ابھی تک وہی آرزوؤں کے دیپک

میرے دل میں شام و سحر جل رہے ہیں

پیار کرنے کو کیوں نہ چاہیے دل

کتنی پیاری حسین مورت ہے

بعض اوقات شاعر اپنے موقف کی پیش کش کے لیے سادہ الفاظ کی بجائے مشکل اور ثقیل الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے کلام میں ایک خاص وضع داری پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم شکوہ الفاظ کا نام دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ابو الاعجاز حفیظ صدیقی رقم طراز ہیں:

"صوتی آہنگ اور معنوی فضا کے لحاظ سے بعض الفاظ میں ایک خاص قسم کا طمطراق اور طنطنہ جھلکتا ہے جسے اصطلاح کی زبان میں شکوہ الفاظ کہتے ہیں"۔ ۲

سخن ڈبائیوی کے کلام میں پُر شکوہ الفاظ کی کمی نہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (جذبات۔25)، (تجلیات۔322

اوج خیال نے میرے یہ گل کھلا دیا

عرشِ اولیٰ کو قلب کا مرکز بنا دیا

حجابِ نور سے باہر تو آؤ

بہت بے تاب ہیں سجدے جبیں میں

کلام میں موسیقیت کے عنصر کو غنائیت یا ترنم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے اکثر اشعار اپنے اندر موسیقیت کی تاثیر لیے ہوئے ہیں؛ ان کے اس غنائی پہلو کے پسِ پردہ ان کے الفاظ کا انتخاب اور مترنم بحروں کا چناؤ اپنی مثال آپ ہے۔ اشعار دیکھیے: (نغمات۔142)، (نغمات۔149

وہ نزدیک جتنے میرے آ رہے ہیں

میرے ہوش اتنے اڑے جا رہے ہیں

محبت کا کچھ سلسلہ چاہتا ہوں

تیری زلف سے رابطہ چاہتا ہوں

اختلال کے لغوی معنی ہیں ''خلل میں پڑنا'' وجدانی کیفیت کے زیرِ اثر بعض اوقات آنکھیں سوچنے لگتی ہیں، رنگ باتیں کرنے لگتے ہیں اور آواز میں رس پیدا ہو جاتا ہے جسے اختلالِ حواس کہتے ہیں۔ سید عابد علی عابد نے اس ''کیفیت کو امتزاجِ حواس کا نام دیا ہے''۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری رقم طراز ہیں:

"شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب تمام حواس نہایت درجہ تاثرات پذیر اور ذکی الحس ہو جاتے ہیں۔۔۔ اختلالِ خیالات واقع ہوتا ہے اور جملہ اشیائے عالم اپنی صورت سے بسا اوقات دوسری صورتوں سے منقلب ہو جاتا ہے۔ آوازیں رنگین معلوم ہونے لگتی ہیں اور رنگ میں نغمہ پیدا ہو جاتا ہے"۔۳

سخن ڈبائیوی کے ہاں اختلالِ حواس کی عمدہ مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں۔ ان کے ہاں آوازیں رسیلی ہیں، ذہن نظارہ جمال کرتا نظر آتا ہے اور آنکھیں سراپائے محبوب کو سوچنے میں مشغول نظر آتی ہیں: (جذبات۔55)، (تجلیات۔322

ہو رہی ہے روح بھی محظوظ کیف درد سے

درد بھی ایسا ملا جو قابل بیان نہیں

تکلم دل کا اچھا ہے حدیث دل نہیں اچھی

جو گونگا اور بہرہ ہو تو اس سے ہے کہیں اچھا

تخلص کا عمدہ استعمال کلام کو تاثیر اور جاذبیت عطا کرتا ہے اور اگر اسے سلیقہ مندی سے برتا جائے تو کلام میں نئی معنویت کا باعث بھی بنتا ہے۔ دردؔ اور مومنؔ کے ہاں تخلص کا ذو معنی استعمال موجود ہے جو انہیں دیگر شعرا سے ممتاز بناتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں بھی تخلص کا خوبصورت استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ اپنے تخلص سے نئے نئے معانی پیدا کرنے کے لیے ان کے ہاں شعوری کاوش نظر آتی ہے۔ ان کے کلام سے سخن بمعنی گفتگو کی شعری مثالیں ملاحظہ ہوں: (جذبات۔24)، (تجلیات۔279

نخل سخن میں ہیں وہ گلہائے تازہ تازہ

بدذوق جس سے کوئی اہل قلم نہ ہوگا

میں سخن ہوں سمیع تیری ذات

سن لے تجھ کو گواہ کرتا ہوں

حروف کا استعمال کلام کو بامعنی بنانے کے علاوہ حسن وخوبی کا باعث بھی بنتا ہے۔ سخن ڈبائیوی نے حروف کی کئی اقسام اپنے کلام میں برتی ہیں جیسے حروفِ تحسین، حروفِ استعجاب، حروفِ تاسف، حروفِ تمنا، حروفِ استدراک، حروفِ شرط اور حروفِ موصول وصلہ وغیرہ۔ان کے ہاں حروفِ تحسین کا کثرت سے استعمال ہوا ہے جیسے خوش نصیبی، واہ واہ، خوشا، صد آفریں، اللہ اللہ، زہے نصیب، زہے قسمت اور مبارک وغیرہ۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں تحسین آفرینی کا جذبہ نمایاں ہے۔ شعری مثالیں ملاحظہ فرمائیں: (نغمات۔167)، (تجلیات۔255)، (جذبات۔43

آج جو عظمت اسلام کی تعمیر کرے

ہائے اس دہر میں ایسا کوئی معمار نہیں

ان کے وصال ہی کی تمنا ہے بس مجھے

دنیا کی آرزو ہے نہ ارماں ہے حور کا

جو بھی چاہتے ہیں ہم کرتے ہیں

واہ رے اختیار کیا کہنا

حرف تاسف کو سخن ڈبائیوی نے اپنے کلام میں اس انداز سے سمویا ہے کہ جذبے کی شدت ابھر کر سامنے آگئی ہے۔ مثال دیکھیے:

خدا پھر دکھائے، خدا پھر بھی لائے

تاسف سے سوئے حرم دیکھتے ہیں

سخن ڈبائیوی کے کلام میں اسمائے موصولہ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے جیسے: جو، جس نے، جس کو، جن، جن کو، جب، جیسے، جنہیں، جس دم، جسے، جتنا اور جتنے وغیرہ؛ چونکہ اسمائے موصولہ کے ساتھ شرط کے معنی بھی موجود ہوتے ہیں اس لیے صلہ کے اعلان کے لیے حرفِ صلہ یا جزا کا آنا ناگزیر ہے، جیسے جدھر کا حرفِ جزا؛ ادھر، جتنا کا حرفِ جزا؛ اتنا، جہاں کا وہاں اور جیسا کا حرفِ صلہ؛ ویسا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے کلام سے حروفِ صلہ و جزا کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

جس کو جتنا وہ پیار کرتے ہیں

اس کو اتنا ہی خوار کرتے ہیں

بعض اوقات شاعر کلام میں ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے؛ جن کے پیچھے خود نمائی اور خود ستائی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ ایسے اشعار تعلی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس بارے میں رشید وارثی لکھتے ہیں:

"جذبہ خود نمائی میں یہ خواہش مضمر ہوتی ہے کہ انسان اپنی اچھائیاں خود بیان کر کے اور اپنی فوقیت کا اظہار کر کے لوگوں میں اپنی نسبت حسنِ ظن پیدا کرے اور اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے بڑا کر کے دکھائے"۔[۴]

شاعرانہ تعلی غزل گو شعرا کے ہاں تو قابلِ قبول ہے مگر صوفیانہ کلام جس کی بنیاد ہی عجز و انکسار پر ہوتی ہے اس میں تعلی کا استعمال کم کم دیکھنے میں آتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے کلام میں ابلاغ و فصاحت اور شادابی کے حوالے سے تعلی کا پہلو موجود ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (جذبات۔49)، (نغمات۔160

غور کے قابل ہیں اقوال سخن

کام کے ہیں تو انہیں سمجھا نہیں

نہیں ہر گز نہیں سوز و گداز عشق سے خالی

تیرے اشعار میں اے سخن خاص لذت ہے

سخن ڈبائیوی کے کلام کی ایک خوبی ان کا استفہامیہ انداز ہے۔ استفہامیہ طرز جہاں قاری کی توجہ کے حصول کا باعث ہے وہیں ادائے مطلب کی نئی جہتیں بھی متعارف کرواتا ہے۔ استفہام کی تین اقسام ہیں اور سخن ڈبائیوی نے ان تینوں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔

استفہامیہ کی اس قسم میں سوال کے ذریعے کسی چیز یا امر کے ثبوت کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے کیوں نہیں؟ کیوں نہ جاؤں؟ پہلی مثال میں ''کہتے کیوں نہیں'' کے الفاظ سے مراد کہہ دو ہے۔ اسی طرح دوسری مثال میں ''کیوں نہ جاؤں'' سے مراد اس بات کا اقرار ہے کہ میں تو جاؤں گا۔ دراصل استفہام اقراری کے ذریعے کسی امر کا اقرار کرنا یا اقرار لینا مقصود ہوتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں استفہام اقراری کے حوالے سے خوبصورت اشعار موجود ہیں۔ مثال ملاحظہ فرمائیں: (نغمات۔108

تمنا ان بتوں کی کیا تیرے دل میں نہیں زاہد

حصولِ حور کیا مقصد نہیں تیری عبادت کا

ایسا استفہام جس سے کسی بات کی نفی کرنا مقصود ہو استفہامِ انکاری کہلاتا ہے؛ جیسے میں نے کب کہا؟ کس میں اتنی ہمت ہے؟ وغیرہ۔ پہلے جملے کا مطلب ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا جب کہ دوسرے جملے سے مراد ہے کہ کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں سخن ڈبائیوی کے کلام میں

استفہام انکاری کا استعمال بڑے موزوں اور موثر انداز میں ہوا ہے؛ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یکتائی، بزرگی اور برتری کے بیان میں دیگر تمام مخلوقات کی نفی کے لیے استفہام انکاری سے جو کام لیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (نغمات۔151)، (نغمات۔162

کون ہے رازدار جس سے کہوں

دل سے کرتا ہوں یار کی باتیں

ہر چیز سے ہے حکمت تخلیق کا ظہور

سمجھی نہ تیری عقل تو کس کا قصور ہے

اسے استفہام حقیقی بھی کہتے ہیں۔ یہ استفہام کسی کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے۔ کب آؤ گے؟ اب کیا کریں؟ وغیرہ
سخن ڈبائیوی کے کلام سے مثال پیشِ خدمت ہے: (نغمات۔151

کس طرح راز غم الفت کو اب فنا کریں

چشم تر سوز جگر دل کی تپش کو کیا کریں

اہلِ زبان کے خاص بول چال کو محاورے کا نام دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ رقم طراز ہیں:

م"حاورہ وہ کلامِ مجاز ہے جس میں ایک فعل یا ایک حرفِ ربط ہو اور ایک اور دوسرے کے مشابہ نہ بتایا جائے جیسے موہن نے بہت پاپڑ بیلے، اپنی مصیبت اٹھائی"۔۵

محاورہ کا بر محل اور موزوں استعمال کلام میں شگفتگی اور تازگی کا باعث بنتا ہے نیز کلام کی معنویت میں تاثیر اور بعض اوقات نیا پن پیدا کر دیتا ہے۔ بر آنا، بال آنا، بلائیں لینا، دل میں بسانا، در آنا، دن پھرنا، دم بھرنا، راہ دیکھنا، دھوم مچانا، راہ پر آنا، راس آنا، راہ پانا، آنکھ لڑنا، آنکھوں میں بسانا، جان پر بننا، جان میں جان آنا، جوت لگانا، پاؤں چھونا، پلکیں بچھانا، گن گانا، پھول جھڑنا، منہ تکنا، ٹھان لینا، لو لگانا جیسے متعدد اور معروف محاورات سخن ڈبائیوی کے کلام کا حصہ ہیں۔ مثال پیشِ خدمت ہے: (جذبات۔50

گرمیٔ عشق ہے نہ ہو گی کم

جو اتر جائے وہ بخار نہیں

محاورات کے استعمال سے سخن ڈبائیوی کے کلام میں زورِ بیان کے ساتھ ساتھ شیرینی اور لطف زبان کا حسن بھی نمایاں ہو گیا ہے۔ ان کے ہاں محاورے کی بندش اس فطری انداز میں ہوئی ہے کہ محاورہ کلام میں جذب ہو کر رہ گیا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں: (جذبات۔47

نہیں ہوتی ضرورت ان کو کچھ کسب و ریاضت کی

نبی ہو یا ولی دونوں ہی مادر زاد ہوتے ہیں

سہلِ ممتنع ایسا کلام جو بظاہر سادہ اور سہل معلوم ہو مگر جب کوئی شاعر خود ویسا کلام لکھنا چاہے تو بے حد دشواری محسوس کرے۔ دیگر الفاظ میں بات کو تصنع اور بناوٹ سے ہٹ کر سیدھے سبھاؤ بیان کرنا سہل ممتنع ہے۔ سخن ڈبائیوی کے کلام میں سہلِ ممتنع کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں بل کہ انھیں اس فن میں کامل دست گاہ حاصل ہے۔ شعر کے فن کے حوالے سے منیر سیفی لکھتے ہیں:

"آسان اور عام فہم لفظوں اور لہجے میں بڑی بات کہہ جانے کا فن شعر کی خوبیوں میں سرِ فہرست ٹھہرتا ہے"(۶

مثال کے لیے سخن ڈبائیوی کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں سہل ممتنع کا حسن موجود ہے۔ (تجلیات۔۳۰۶

حجابِ تعین اٹھا جا رہا ہے

مجھے عکس اپنا نظر آ رہا ہے

ٹھہرتا نہیں کاروانِ تخیل

برابر مسلسل چلا جا رہا ہے

علمِ بیان کے ذریعے ایک بات کو مختلف انداز میں پیش کیا جاتا ہے جس سے کلام کی معنوی و صوتی تفہیم نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں علمِ بیان کا خوبصورت استعمال موجود ہے۔ کلام میں ایک چیز کو کسی مشترک خوبی یا خامی کی بنا پر کسی دوسری چیز کے مشابہ قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں تشبیہ کا خوب صورت نظام موجود ہے۔ مثال دیکھیے۔(نغمات۔199

جھلکتی ہے سرخی تیرے رخ سے ایسی

ہو لالہ میں جیسے کہ ہلکی سی لالی

استعارہ کے لغوی معنی ہیں ''مستعار لینا''، کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں اس طرح استعمال کرنا کہ دونوں معنوں کے درمیان تشبیہ کا تعلق قائم ہو جائے استعارہ کہلاتا ہے۔ استعارہ کلام میں معنی کی وضاحت کے لیے مفید ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

"معنی کی وضاحت اور شدت کے حصول کے لیے استعارہ سے اہم کوئی طریقہ نہیں۔ یہ محض ایک تزئینی شے نہیں بلکہ شعر کا جوہر ہے۔ استعارہ کو صفائی خیال کی کلید اور معانی کا گنجینہ طلسم کہا گیا ہے"۔(۷

سخن ڈبائیوی کے ہاں واضح اور بلیغ استعارے ملتے ہیں۔ مثلاً:(نغمات۔110

تھی نظر ہی میں کشش کچھ برق و مقناطیس کی

بے طلب دل اس کو دینا ورنہ مشکل کام تھا

تلمیح کے لغوی معنی ہیں ''اچٹتی نگاہ ڈالنا''، کلام میں کسی قصہ کی طرف اشارہ کرنا جس سے کوئی قرآنی یا تاریخی واقعہ میں گردش کر جائے تلمیح کہلاتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی؛ تلمیح کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"زبان کے ابتدائی دور میں چھوٹے چھوٹے سادہ خیالات اور معمولی چیزوں کے متبادل الفاظ بنائے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انسان نے ترقی کا قدم اور آگے بڑھایا۔ لمبے لمبے قصوں اور واقعات و حالات کی طرف خاص خاص اشارے ہونے لگے جہاں وہ الفاظ زبان پر آئے وہ قصے وہ واقعہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے؛ ایسا ہر اشارہ تلمیح کہلاتا ہے"۔(۸

مثال کے طور پر سخن ڈبائیوی کا یہ شعر ملاحظہ ہو:(تجلیات۔233)،(تجلیات۔322

بہایا پانی انگلی سے کیے مہتاب کے ٹکڑے

مقام ہو تک آئے ہو معجز نما تم ہو

سخن یہ سچ سہی شور انا الحق تھا غلط لیکن

کہا منصور کے ہر قطرہ خوں نے خدا میں ہوں

کلام میں ایک لفظ یا چند الفاظ کو دہرانا صنعتِ تکرار کہلاتا ہے۔ صنعتِ تکرار؛ کلام کا حسن بھی بن سکتی ہے اور عیب بھی لیکن سخن ڈبائیوی تکرار سے کلام میں تاثیر پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں؛ انہوں نے تکرارِ لفظی کی بہت سی صورتیں اپنے کلام میں پیش کی ہیں۔ اس صنعت کے استعمال میں انہوں نے جس خوش سلیقگی اور خوش ذوقی کا مظاہرہ کیا ہے وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ ان کے کلام میں یک لفظی تکرار کے مختلف انداز ملتے ہیں۔ شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:(تجلیات۔262)،(نغمات۔157)،(نغمات۔160

ہوش ہستی، ہوش دنیا، ہوش دیں

محو کرتا ہے خیال روئے دوست

محبت کا یہ کاروبار اللہ اللہ

مرے دل میں ہے اک پیار اللہ اللہ

تیری صورت ہے وہ صورت نہیں جیسی کوئی صورت

اس اپنی صنع پر صناع خود ہی محوِ حیرت ہے

صنائع معنوی میں الفاظ کو اس خوب صورتی اور سلیقے سے برتا جاتا ہے کہ شعر کی معنوی صوت نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور کلام میں ایک واضح تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ سخن ڈبائیوی کے کلام میں صنائع معنوی کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے جس سے ان کے کلام کے ابلاغ میں اضافہ ہوا ہے۔ صنعتِ تضاد کو طباق سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"ایسے الفاظ استعمال میں لائیں جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے فی الجملہ مد اور مقابل ہوں"۔(۹

صنعتِ تضاد یا طباق کی دو قسمیں ہیں؛ ایک ایجابی اور دوسری سلبی۔ طباق ایجابی میں الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نفی نہیں آتا۔ جیسے سونا جاگنا، زمین آسمان اور آنا جانا وغیرہ۔ طباق سلبی میں دو الفاظ ایک ہی مصدر سے مشتق ہوتے ہیں جن میں ایک لفظ منفی اور دوسرا مثبت ہوتا ہے جیسے کرنا نہ کرنا، جاننا نہ جاننا وغیرہ۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں تضاد کی دونوں صورتیں موجود ہیں؛ جن سے ان کے کلام کی معنوی صورت میں نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں: (تجلیات۔248)، (تجلیات۔277

دکھ میں نیند آتی کسی کو بھی نہیں

سکھ میں سوتے ہیں سبھی آرام سے

غم ہزاروں ہیں مگر میں شاد ہوں

غم نہ ہو تیرا تو پھر ناشاد ہوں

کلام میں کسی امر کی ایسی شاعرانہ علت پیش کرنا جو اس کی اصل وجہ نہ ہو حسنِ تعلیل کہلاتا ہے۔ اس صنعت کا استعمال کلام میں حسن پیدا کرنے کے ساتھ اس کی تاثیر میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ سخن ڈبائیوی کے ہاں حسنِ تعلیل کی یہ مثال دیکھیے: (نغمات۔162

ہر پھول میں ہے رنگ تیرا اور بو تیری

جان بہار تو ہی سراپا بہار ہے

حوالہ جات

1۔ رحمت علی شادؔ، ڈاکٹر۔ مضمون ''شہرِ فرید میں اردو غزل کی روایت''، مشمولہ، تحقیقی مجلہ ''الماس''، شمارہ: ۱۵، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور سندھ، پاکستان، ۲۰۱۳، 2014ء، ص: ۹۳

2۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز۔ ''کشاف تنقیدی اصطلاحات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص: ۶۸

3۔ عبدالرحمن بجنوری۔ ''محاسن کلامِ غالب''، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۰۹ء، ص: ۵۵

4۔ رشید وارثی۔ ''اردو نعت اور شاعرانہ تعلی''، مشمولہ ''نعت رنگ''، کتاب نمبر: ۴، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۷

5۔ سہل عباس بلوچ، ڈاکٹر۔ ''بنیادی اردو قواعد'' مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص: ۴۴۷

6۔ منیر سیفی۔ مضمون ''حروفِ نور کا کعبہ اور آنکھوں کے نگینے مشمولہ ''ریاضِ مدحت''، ادب سرائے، ساہیوال، ۲۰۰۰ء، ص: ۳۵

7۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر۔ ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، انٹرنیشنل، ۲۰۰۸ء، ص: ۵۳۸

8۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز۔ ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۶۸

9۔ نجم الغنی رامپوری، مولوی ''بحر الفصاحت'' (جلد: ششم ہفتم) مرتبہ: سید قدرت نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص: ۶۸

Refrences in Roman

1-Rahmat Ali Shad,DR. Mazmoon "Shehr e Fareed ma urdu ghazal ki rawait" mashmoola Tahqiqi Mujalla "Almas", Shumara:15, SALU Khair Pur Sindh, Pakistan, 2013-2014, P:93

2-Hafeez Seddique, Abul Ejaz-"Kashsaaf Tanqeedi Istlahat", Muqtadarah Qoomi Zuban, Islamabad,1985,P-68

3-Abdurehman Bajnoori-"Muhasn e Kalam e Ghalib", Misal Publishers Faisalabad,2009,P-55

4-Rasheed Warsi-"Urdu Naat or Shairana Ta,alli", Mashmoola, "Naat Rang", Kitab No:4, Karachi,1997,P-71

5-Suhail Abbas Baloach-"Bunyadi Urdu Qawaed",Muqtadarah Qoomi Zuban, Islamabad,2010,P-447

6-Muneer Saifi- Mazmoon "Harof e Noor ka Kaba or aankhon k Naginay" ,Mashmola "Riaz e Midhat", Adab Saraay Sahiwal, 2000, P-35

7-AbdunNaeem Azizi,Dr. "Urdu Naat Gooi or Fazal Barailvi",Adara Tahqiqat e Imam e Ahmad Raza,International,2008,P-538

8-Hafeez Seddique, Abul Ejaz-"Kashsaaf Tanqeedi Istlahat", Muqtadarah Qoomi Zuban, Islamabad,1985,P-168

9-Najamul Ghani Ram Puri-"Bahrul Fasahat" (Jild:6,7), Murattba: Syed Qudrat Naqvi, Majlas e Tarqqi Adab Lahore,2007,P-68